© rasailojaraid.com

۱۰. مبارکپوری صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، لاہور، المکتبۃ السلفیہ، اپریل ۱۹۹۹ء، ص:۴۹

۱۱. حموی یاقوت بن عبداللہ، ابوعبداللہ، معجم البلدان، محولہ بالا، ص:۱۸۶، ج:۵، مادہ: مکہ

۱۲. مسعودی علی بن الحسین بن علی، ابوالحسن، مروج الذہب ومعادن الجوہر، محولہ بالا، ص:۲۳، ج:۳

۱۳. ابن ہشام، عبدالملک، ابومحمد، المعافری، السیرۃ النبویۃ، محولہ بالا، ص:۸۷، ج:۱

۱۴. طبری محمد بن جریر، ابوجعفر، تاریخ الطبری، مصر، دارالمعارف، ۱۹۶۹ء، ص:۲۵۸، ج:۳

۱۵. شداخ کا لفظی معنی ہے: سر توڑنے یا کچلنے والا

۱۶. منصورپوری محمد سلیمان سلمان، قاضی، رحمۃ للعالمین، کراچی، دارالاشاعت، ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ، ص:۴۹، ج:۳

۱۷۔ زہیر بن ابی سلمیٰ مزنی، ربیعہ بن رباح، دیوان زہیر، محولہ بالا، ص:۸۷

۱۸. مسعودی علی بن الحسین بن علی، ابوالحسن، مروج الذہب ومعادن الجوہر، محولہ بالا، ص:۶۵، ج:۳

۱۹۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، محولہ بالا، ص: ۹۰، ج:۱

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ قبیسی محمد حسن الشیخ، مازالی التاریخ، بیروت، دارالتعارف للمطبوعات، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۲۳، ج:۱

۲۳۔ زہیر ابن ابی سلمیٰ مزنی، دیوان زہیر، محولہ بالا، ص: ۸۵

۲۴۔ قرآن حکیم، سورہ المائدہ، آیت: ۵۰

۲۵۔ حموی، یاقوت بن عبداللہ، ابوعبداللہ، معجم البلدان، مادہ مکہ

۲۶۔ ابن اثیر، علی بن ابی الکرم، ابوالحسن، الکامل فی التاریخ، محولہ بالا، ص: ۲۱، ج:۲

۲۷۔ طبری، محمد بن جریر، ابوجعفر، تاریخ الطبری، محولہ بالا، ص: ۲۵۹، ج:۳

۲۸. ایضاً، ص: ۱۱، ج:۳ (خلاصہ)

۲۹۔ طبری، محمد بن جریر، ابوجعفر، تاریخ الطبری، محولہ بالا، ص: ۲۲۸، ج:۳

۳۰۔ ایضاً، ص: ۲۲۹، ج:۳

ہجری کیلنڈر، شعار اسلام کا اہم جزء

محمد عبدالرحمٰن صدیقی، ٹوکیو (جاپان)

پہلے چند مخففات کی تشریح

A.D کا مطلب ہے Anno Domini۔ یہ لاطینی لفظ ہے اسکا انگریزی ترجمہ ہے In the year of the lord۔ AC کے معنی ہے After christ۔ CE مخفف ہے Christion Era کا۔

اردو میں حرف ء۔ اشارہ ہوتا ہے رسول اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ کی طرف اور انگریزی میں A.H کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ ہاں اردو میں سال کے عدد کے بعد چھوٹا سا حرف ع۔ ء لکھنے کا مطلب ہوتا ہے سال یا سنہ عیسوی جو مجموعہ ہے A.D۔AC اور CE کا۔ یہ تمام حروف اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ عیسائی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش یا ان عیسائیوں کے مطابق انکی علیہ السلام مصلوبیت کو اتنے سال گذر گئے۔ اس طرح جب بھی یہ مخففات لکھے جاتے ہیں عقیدہ ''مصلوبیت مسیح'' کو تازہ کرلیا جاتا ہے اس طرح ایک مخفف میں بھی ایک عقیدہ مخفی ہے۔ اس طرح ہر بار جب ہم عیسائی سال سے (Western) مغربی کہہ دیا جاتا ہے لکھتے ہیں تو ہم بغیر ارادہ کے بھی ایک خاص غیر اسلامی عقیدہ کی تحریری تصدیق کررہے ہوتے ہیں۔ یہ ایک نادانستہ غلطی ہوتی ہے۔

برخلاف اس کے جب کسی سال کے عدد کے بعد ہم ھ یا A.H لکھتے ہیں تو ہم ایک عظیم الشان تاریخی واقعہ اسلامی کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ یہ سیرت طیبہ ﷺ کا ایک اہم واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے پیغام رسالت وہدایت کو عام کرنے کی خاطر گھربار اور بیت اللہ غرض سب کو چھوڑ کر دوسرے شہر یعنی مدینہ منورہ کو مسکن دائمی بنایا۔ اس ہجرت کے دن کو اسلام کے شیدائیوں نے نئے سال کی ابتدا کا دن بنادیا۔ مثلاً ۱۴۲۸ھ کا ہجری سال جنوری بیس (۲۰) ۲۰۰۷ء کو شروع ہوا تھا۔ اور اب ۱۴۲۹ھ کا نیا سال دس (۱۰) جنوری ۲۰۰۸ء کو شروع ہوا یہاں یہ بتاتا چلوں کہ اس طرح عموماً ہر سال گیارہ (۱۱) دن کا فرق ہوتا جاتا ہے۔

ہجری سال قمری حساب سے یعنی نئے چاند کے نظر آنے سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی اگر آج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شام کو چاند نیا نظر آیا یا نظر آنا مان لیا گیا تو کل نئے ہجری ماہ (یا قمری مہینہ) کی یکم ہوگی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ہجری (اسلامی) سال کی ابتدا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش، نکاح، ابتداء نزول قرآن آپ ﷺ کی وفات طیبہ جیسے کسی بھی دوسرے اہم واقعہ سے نہیں ہے بلکہ دعوت حق کی خاطر قربانی کے واقعہ ہجرت سے ہوئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مقصد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ویسے تو ہجرت کے معنی ہیں چھوڑنا، ترک کرنا۔ یہ عربی لفظ ہے یہ چھوڑنا یا ترک کرنا دل سے ہو یا زبان و عمل سے ہو۔ لفظ ہجرت سب پر حاوی ہے۔ اسی سے لفظ مہاجر نکلا ہے۔ وہ شخص جو کسی شخص، نظریہ، عمل، مقام یا نام کو ترک کر دے اور کوئی اور طریقہ اختیار کرے۔ مگر اصطلاحاً مہاجر وہ شخص ہے جس نے باذن رسول ﷺ اپنا وطن اور خاص طور پر مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم موقوف کر دیا گیا۔ اب ہجرت کا معنی صرف یہ ہے کہ اگر ارکان دین اور واجبات شرعیہ کو ادا کرنے سے مجبور کر دیا جائے اور اس دشمن اسلام مقام سے کوئی مسلمان صرف اسلام کی خاطر دوسری جگہ منتقل ہو جائے جہاں اسکا دین ایمان خطرہ سے باہر ہو۔ اصلی ہجرت تو یہ ہے کہ مسلماں غیر اسلامی امور، بد اخلاقی، گناہوں غیر اسلامی رسوم و رواج کو اللہ کی رضا کے لئے چھوڑ دے۔ متفق علیہ حدیث نبوی ﷺ سب کو معلوم ہے جس میں اعمال کے درست و مخلص ہونے کا دار و مدار نیتوں پر بتایا گیا ہے۔ (تفصیل کتب حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے)۔ اور یہ حدیث ہجرت کے مفہوم کو نہایت وضاحت سے بیان کرتی ہے۔ ایک اور جگہ ہجرت کی فضیلت میں آیا ہے کہ دین و ایمان کی حفاظت کے لئے خواہ ایک (شبر) یا بالشت ہی کیوں نہ ہو اگر ایک ارض، ملک، علاقہ یا مقام سے نکل کر دوسری جگہ کوئی چلا جائے تو اسکے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ہجرت کے بارے میں قرآن کریم کی متعدد آیات ہیں سورۂ العنکبوت آیت ۵۶ کا مفہوم ہے کہ بندے اللہ کی اطاعت کے لئے ہجرت کر جائیں۔ اب یہ ہجرت ذہنی، جسمانی، مکانی یا اعمالی کوئی بھی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ ہم نے دین اسلام میں ہجرت کے فلسفہ پر اس لئے روشنی ڈالی ہے کہ اس کی اہمیت واضح ہو جائے اور آگے جب ہجرت نبوی ﷺ پر مبنی کیلنڈر یا تقویم کی بات سامنے آئے تو اسکی اہمیت اور مقصدیت کا ادراک آسان ہو۔ اور ہجری کیلنڈر کا پس منظر نظر میں رہے۔

۶۳۸ عیسوی سال میں حضرت عمرؓ خلیفہ راشد دوئم نے محسوس فرمایا کہ کاروبار خلافت کی انجام دہی میں تاریخ کا تعین ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک عملی ضرورت تھی۔ وسعت پاتی ہوئی

اسلامی سلطنت میں فوجی، انتظامی امور اور دوسرے حکمرانوں سے معاملات و معاہدات طے کرتے وقت دن تاریخ مدت کا تعین ضروری تھا۔ لیکن اس وقت کے ایران میں جو ایک نیا مفتوحہ علاقہ تھا۔ اور اسی طرح مصر میں انکے اپنے اپنے تاریخوں کے طریقے جاری تھے۔ ایران والے ساسانی حکمران یزدگرد سوئم کی تخت نشینی سے ماہ و سال شمار کرتے تھے۔ سیریا (شام) جو اس وقت تک بازنطانی سلطنت کا حصہ تھا اور اب اسلامی سلطنت کا حصہ تھا۔ وہاں رومن جولین (Roman gulian) کیلنڈر اور مصر میں قبطی کیلنڈر چل رہا تھا۔ اگرچہ یہ تمام کیلنڈر ۳۶۵ دن کے تھے واضح ہو کہ شمسی حساب سے ایک سال ۲۴۲۲۔۳۶۵ دنوں کا ہوتا ہے۔ دور اسلامی سے قبل عرب میں ماہ و سال کو شمار کرنے کا انکا اپنا الگ طریقہ تھا۔ جنوبی علاقہ میں سال اس طرح شمار ہوتا کہ موسم سے مطابقت کے لئے شمسی قمری حساب کو گڈمڈ کر کے کچھ دن آگے پیچھے کر لیا جاتا تا کہ موسم سے مطابقت ہو جائے۔ وہ اپنے تہواروں کے لئے آسانی پیدا کر لیتے۔ کچھ یہی حال تھا وسطی عرب کا بھی۔ وہ لوگ چاند کے کل وقوع سے بھی مدد لیتے تھے۔ انکے یہاں سالوں کے نام بھی واقعات پر رکھے جاتے مثلاً عام الفیل ہاتھی والا سال۔ حلف الفضول کا سال وغیرہ۔

یہاں یہ معلومات شاید باعث دلچسپی ہوں گی کہ ۱۹۲۳ء میں اقوام متحدہ جو اس وقت League of nations تھی۔ اس نے ایک خصوصی کمیٹی مقرر کی تھی اور اسے کام دیا گیا کہ تمام دنیا کے لئے قابل قبول کیلنڈر مقرر کیا جائے۔ اس میں ۱۳ (تیرہ) ماہ رکھے جانے کی تجویز تھی۔ مگر آپ دعوا کے معاملہ پر اختلاف کے باعث یہ کیلنڈر رائج نہ ہو سکا۔ قمری کیلنڈر جسے ہجری کیلنڈر کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ وہ درج بالا عیوب سے پاک ہے۔ اسکا موسمی تغیرات سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱۲ بار چاند کا نکلنا (نظر آنا) اور بارہ (۱۲) بار ہی غروب ہونا ساری دنیا میں معلوم کیا جا سکتا ہے اور اکثر و بیشتر دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ چاند کرہ ارض کے گرد 364.48/34 دنوں میں اپنا سفر پورا کرتا ہے۔ اس مدت میں کبھی بھی کہیں بھی ۱۳ بار نہ نکلتا ہے نہ ۱۳ بار غروب ہوتا ہے۔

یہاں پر حکیم محمد سعید مرحوم شہید کا ایک مقالہ یاد آیا۔ انہوں نے Val iv No:3,1981 Hamdard Islamicus میں لکھا عنوان تھا "The History of Islamic Calendar in the light of Hijrat" اس مقالہ میں فاضل دانش ور نے ایک واقعہ لکھا ہے جسے امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ نے میمون ابن مہران کی جانب سے لکھے ہوئے ایک I.O.U۔ مقروض نامہ کا حوالہ دیا ہے جو ماہ شعبان میں قابل ادائی تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس شعبان میں قابل ادائی ہے۔ موجودہ شعبان یا آئندہ والے۔ پھر فرمایا کہ بات اور تحریر ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔

F. Rosenthal, A History of Muslim (Historology. Leidin. 1952. P310.

یہ بات تو برسبیل تذکرہ آگئی۔ اس سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ آپؐ نے تعین تاریخ کیلئے ایک ضابطہ کی اور باقاعدہ کیلنڈر کی ضرورت محسوس کرلی ہوگی۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ہجری کیلنڈر جاری فرمایا یہ ۱۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ یعنی رسول اکرم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے سولہویں سال اسلامی ہجری کیلنڈر کا اجراء عمل میں آیا۔ السیوطی کے "اخبار و احکامات" تاریخ الخلفاء (قاہرہ ۱۳۵۱ھ) میں المسیب کے حوالہ سے تحریر کیا گیا ہے کہ اس حکم کے بعد سے حضرت عمرؓ خلیفہ راشد (دوئم) نے تمام دستاویز پر حضرت علیؓ (خلیفہ راشد چہارم) کے مشورہ سے تاریخیں درج کروائیں۔ واضح رہے کہ ہجرت نبوی ﷺ کے دسویں سال حج الوداع کے موقع پر ہی رسول اکرم ﷺ نے ایام جاہلیت کی تمام رسوم کے ساتھ فصیح و بلیغ خطبہ میں ایام جاہلیت کے کیلنڈر کو بھی مسترد فرمادیا تھا۔ حضرت عمرؓ کا ہجری کیلنڈر جاری کرنا اور اسے قمری حساب پر مبنی کرنا تعلیم قرآنی کے عین مطابق بھی ہے۔ فرمان رب العالمین سورہ یونس ۱۰ آیت نمبر ۵ کا مفہوم یوں ہے "وہی ہے جس نے سورج کو چمک والا بنایا اور چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تا کہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو......" تفسیر احسن الکلام۔ دارالسلام۔ ڈاکٹر محمد محسن خان۔ اور آگے دیکھئے۔ قرآن کریم واضح طور پر کیلنڈر کا نظم بتارہا ہے مفہوم ہے "بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہی ہے......ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں.....حوالہ۔ سورۃ التوبہ ۹۔ آیت نمبر ۳۶۔

حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے مطابق (جو تعلیم قرآن پر مبنی تھا) طے ہوا کہ اسلامی کیلنڈر ہجرت سے شروع ہوگا۔ اسمیں ۱۲ مہینے ہونگے۔ مہینوں کے ابتدا پیدائش قمر۔ یا ظہور قمر سے ہوگی۔ اور پھر یہ اسلامی ہجری کا سال ۳۵۴ دن کا ہوگا۔ جو عام زیر استعمال ۲۰۰۸......۲۰۰۹ والے کیلنڈر سے ۱۱ دن کم ہوگا۔ ابتدائے کیلنڈر کو ہجرت کے واقعہ سے منسلک ہونے میں یہ بھی ایک پنہاں اشارہ ہے کہ اسی دن سے مسلمان ایک بااختیار حکومت قائم کر سکے تھے اور انہیں سیاسی۔ مالی اور دستوری آزادی حاصل ہوئی تھی۔ اور شریعت محمدی ﷺ کے نفاذ کا وقت آپہنچا تھا۔ غرضیکہ رسول اللہ ﷺ نے یکم محرم کو مدینہ میں قدم رنجہ

فرمایا۔ آج کی اصطلاحات میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کو حقوق انسانی Human Right ملنے کی ابتدا ہورہی تھی۔ Terrorism دہشت گردی کے شکار مسلمان امت کو ایک سہارا مل گیا۔ جہاں وہ شریعت اسلامی کو نافذ کر سکتے ہیں۔ الغرض ابتدائے ہجری کیلنڈر پہلی سلطنت الٰہیہ کے قیام کی یاد دلاتا ہے۔ اور یکم محرم اسلامی ہجرہ کیلنڈر کا پہلا دن ہوا۔

چونکہ اسلام کا ہجری کیلنڈر سورج کے بجائے چاند سے تعلق رکھتا ہے اور شمسی کیلنڈر سے ۱۱ دن کم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ موسم یا آب و ہوا کے تحت نہیں اور نہ گرمی سردی کے موسموں سے مطابقت رکھتا ہے۔ یعنی کسی علاقہ میں جون، جولائی، اور اگست ہمیشہ گرمی کا موسم ہوگا اور نومبر دسمبر جنوری ہمیشہ ہی سردی کا موسم ہوسکتا ہے مگر قمری حساب میں ہر سال ۱۱ دن کا فرق ہوتا جائیگا۔ یعنی ہر سال موسم گرما اور موسم سرما ۱۱ دن جلد آجائیگا۔ اسطرح رمضان جو گرمی میں آرہا ہے آہستہ آہستہ سردی کے ایام میں آجائے گا۔ یہ بھی اللہ کا کرم اور اسکی رحمت ہے کہ رمضان کے روزے، حج کے ایام مختلف موسموں میں آتے رہیں گے۔ ایسا نہ ہوتا تو کسی علاقہ میں رمضان ہمیشہ ہی گرمی یعنی مثلاً مئی جون جولائی میں ہی واقع ہوتا جو یقیناً تکلیف دہ ہوسکتا تھا۔ حساب کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہر ۳۳ شمسی سالوں میں قمری سال کی ابتدا بالکل تبدیل ہوجاتی ہے۔ بہر حال یہ ۱۱ دن والا فرق جس کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ بے خاص سبب دشواری جس کی وجہ سے شمسی اور قمری تاریخوں کا حساب نسبتاً مشکل ہوجاتا ہے۔ دراصل یہ دو الگ الگ سسٹم ہیں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قمری ہجری کیلنڈر میں حقیقی قمری Phase (دور) یا طلوع ہلال استعمال ہوتا ہے جبکہ شمسی مغربی۔ (Western) میں اسے ۱۲ مہینوں کے ہونے کے باوجود سورج کے ساتھ مطابقت کردی جاتی ہے۔ عیسوی عقیدہ کا یہ کیلنڈر مختلف اضافوں اور ترمیم و تنسیخ کے بعد بروز جمعہ ۱۵۔ اکتوبر ۱۵۸۲ عیسائی دنیا میں نافذ کردیا گیا۔ اور اسے Pape Gregory XIII کے نام سے Gregorcan Calendar کے نام سے مشہور کیا گیا اور آج اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ اسے برطانیہ اور امریکہ میں ۱۸ ویں صدی میں قبول عام حاصل ہوا جسکے بعد یہ ساری دنیا (بہ شمول اسلامی دنیا) میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ہے اس عیسائی C.E.-A.D کیلنڈر کی ایک جھلک۔

اب یہ الگ افسوسناک صورت حال ہے کہ اکثریت مسلم آبادی کے ممالک بھی "جناب" Pape Gregory والا کیلنڈر ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ اپنی مرضی کے انتخاب سے نہیں بلکہ جبراً ہے اور صاف کہوں تو یہ غیر ملکی نو آبادی کا جبری تحفہ ہے۔ مان نہ مان میں تیرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مہمان۔ جس طرح دیگر علامات (شعار) اسلام صرف کتابوں اور عقیدہ میں زندہ ہیں اور عملاً کم نظر آتے ہیں اسی طرح تقویم ہجری یا ہجری کیلنڈر کا حال ہے۔

تقویم ہجری شعار اسلام میں ہے: حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جو کتاب ہدایت دی ہے اسمیں تمام اہل اسلام کو دن، ماہ اور سال کی باتیں بتادی گئی ہیں۔ اور اسی مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ رحیم و کریم نے اپنی کتاب برحق میں بار بار دن، مہینہ اور سال عربی الفاظ میں استعمال کئے ہیں اور المعجم المفہرس لالفاظ القرآن بحاشیہ المصحف الشریف وضعہ محمد فؤاد عبدالباقی توزیع دار الحدیث، القاھرہ، مصر دیکھنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ قارئین تحریر کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے کچھ معلومات درج کی جاتی ہیں:

لفظ (دن کیلئے) قرآن کریم میں کتنی بار آیا (تقریباً) الیوم: ۳۴۹، یوماً: ۱۶، یومکم: ۵، یومہم: ۵، یومین: ۳، ایام: ۲۳، ایاماً: ۳، یومئذ ۶۸، یومنذ: ۳، مجموعہ ۴۷۵۔ لفظ (ماہ کیلئے) قرآن کریم میں کتنی بار آیا (تقریباً) الشہر: ۱۰، اشہر: ۲، شہرین: ۲، الشہور: ۱، اشہر: ۶، مجموعہ: ۲۱۔ لفظ (سال کیلئے) قرآن کریم میں کتنی بار آیا (تقریباً) سنۃ: ۸، سنین: ۱۲، مجموعہ: ۲۰

اس تفصیل کو سامنے لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کلام اللہ میں دن، مہینہ، سال کا تذکرہ کسی حکمت کے تحت ہی کیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کا کوئی لفظ کوئی حرف یا کوئی زیر و زبر نعوذ باللہ مقصدیت یا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ پھر یہ دیکھئے کہ ایام، ماہ و سال کو قمر سے جوڑ دیا گیا ہے۔ سبحان اللہ اس طرح خالق کائنات رب العزت نے اپنے بندوں کو گویا اشارہ دے دیا ہے کہ قمری حساب والے کیلنڈر کے ذریعہ ہی دن تاریخ ماہ و سال کا تعین کریں۔ (نوٹ: یہ اشارہ یا رضاء الٰہی حکم کے درجہ میں ہے یا نہیں اسپر علماء قرآن وحدیث و مفسرین کرام ہی رائے دے سکتے ہیں۔)

غنیمت ہے کہ مسلم ممالک میں مغربی۔ مسیحی گریگوری پوپ صاحب کے جاری کردہ کیلنڈر کی حکمرانی کے باوجود ابھی تک مسلمان رمضان۔ عید الفطر۔ عید الاضحیٰ وغیرہ قمری حساب سے ہی مقرر کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ساری دنیا کا مسلمان بحیثیت مجموعی پریشان رہتا ہے کہ سارے کرہ ارض پر ایک ہی دن ابتداء رمضان ہو اور عیدین بھی سب جگہ ایک ہی دن ہو۔ مگر عملاً یہ ممکن نہیں۔ اس لئے کہ جب ایک جگہ دن ہوتا ہے تو دوسری جگہ رات اور ساری دنیا میں ایک ہی دن ایک ہی وقت نہ سورج نکلتا ہے نہ چاند مطلع پر پیدا یا ظاہر ہوتا ہے۔ اس تعین ابتداء رمضان وغیرہ پر شدید اصرار سے سوائے خلجان اور فساد کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ویسے بھی یہ کوئی کفر و ایمان کا مسئلہ نہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جس دن مکہ

، قاہرہ، کراچی اور انڈونیشیا میں یکم رمضان یا یوم عید ہو وہی ساری دنیا میں بھی ہو۔ یہ جغرافیائی ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ ان میں کہیں ۶ گھنٹوں کہیں ۱۰ اور کہیں ۱۲ گھنٹوں کا فرق ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ملک سے دور دراز کے دوسرے ملک والوں کو E میل Fax یا فون سے بتائے کہ ہمارے یہاں آج یکم رمضان ہے۔ یکم شوال یا ۹ ذوالحجہ ہے تو لازم نہیں کہ دوسرے ملک میں بھی وہی دن تاریخ ہو۔ اس لئے ایک ہی دن ساری دنیا میں رمضان، عید، بقرعید کی خواہش تو کی جاسکتی ہے مگر عملاً ناممکن ہے ہاں اگر قمری کیلنڈر کو خیر باد کہنا ہے تو اور بات ہے۔ لہٰذا مصلحت امت اس بات میں ہے کہ اختلاف مطالع اور اختلاف رویت ہلال کو بہ خوشی قبول کیا جائے۔ نہ دین سے جھگڑا کیا جائے نہ باہمی نزاع بڑھائی جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں ہم لوگ اس مسئلہ پر ہر سال کچھ دنوں کے لئے غیر متوازن ہو جاتے ہیں۔ ذہنی نفسیاتی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور چاند کو وجہ نزاع بنالیا جاتا ہے۔ اور ہر سال اتحاد امت میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنا ان کا فرض ہے جن کے پاس قوت نافذہ ہے۔

ہجری کیلنڈر کیوں اور کیسے؟

درج بالا معروضات سے یہ تو واضح ہو گیا ہوگا کہ ہجری کیلنڈر کیا ہے۔ اس کی اہمیت کیا ہے۔ اور ہم جو پوپ گریگوری کا جاری کردہ کیلنڈر استعمال کرتے ہیں اسکی اصلیت کیا ہے۔ اب ہجری کیلنڈر کے نفاذ و اجراء پر گفتگو کرتے ہیں۔

دیکھئے کوئی بھی چیز اگر استعمال نہ کی جائے تو بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ اسلامی تعلیمات تو دائمی ہیں مگر ہم اسے استعمال نہ کریں یا نافذ نہ کریں تو ہم خود اسکی افادیت سے محروم ہو جائینگے۔ اس میں شک نہیں کہ ہجری کیلنڈر کو یک بیک نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لئے تیاری کرنی ہوگی۔ سب سے پہلے تو عوام تاجر طبقے اور حکومت کے اداروں کو ذہنی طور پر تیار اور آمادہ کرنا ہوگا۔ اسکے بعد اسکی تشہیر، طباعت اور بتدریج استعمال میں لانا ہوگا۔ اور ساتھ ہی امت کو اس ہجری کیلنڈر کے اسلام سے تعلق کو اجاگر کرنا ضروری ہے۔ یہ ہرگز کسی سے تعصب یا نفرت کا معاملہ نہیں بلکہ مسلمانوں کے محبت رسول ﷺ کا معاملہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلامی روایات کو زندہ کرنے میں ہجری کیلنڈر سے بڑا کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک طرح امت کا امتحان بھی ہے کہ اپنی شناخت اپنی پہچان اپنی روایات کا کتنا پاس ہے۔ جو قومیں اپنی Identity شناخت کھو دیتی ہیں انکا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ قومیں اپنی خصوصیات سے پہچانی جاتی ہیں۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ صرف کیلنڈر ہی علامت شناخت نہیں مگر یہ بھی شناخت والی چیزوں میں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ہے۔ آیت: ان الصفا والمروہ من شعائر اللہ میں لفظ من یہ آواز دے رہا ہے کہ صفا مروہ تو شعائر اللہ ہیں مگر دوسرے اور بھی شعائر ہیں۔ آیئے اس سلسلہ میں کچھ مزید مطالعہ کرتے ہیں۔

۱۔ لغات القرآن مع فہرست الفاظ۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی دارالاشاعت۔ اردو بازار کراچی۔ جلد ۴۔۳ کے صفحہ نمبر ۲۷۷۔۲۷۶ پر نہایت مفید معلومات فراہم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''سورۂ مائدہ میں ہے۔ آیت لاتحلوا شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ شعائر اللہ، اللہ کے دین کے تمام نشانات پر حاوی ہے یعنی دین کے وہ فرائض اور نشانات کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ ان کے حدود سے تجاوز نہ کریں اور انکے حقوق میں کوتاہی نہ ہو اور انہیں ضائع نہ ہونے دیں۔ یہ معنی تمام معانی کو جامع ہے کہ جو سلف سے اس کی تشریح میں مروی ہیں۔''

۲۔ ''شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی ایک مقام پر فرماتے ہیں (اصل عبارت فارسی میں ہے) طوالت کے خیال سے خلاصہ اردو میں درج ذیل ہے'' اس لفظ کا اطلاق مکانات، مقامات، زمانہ، علامات اوقات .....اور اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کا تعلق کسی مکان، زمان عبادت سے ہو یا وہ خود عبادت ہو اور اس سے معبود کی یاد دلائیں'' بلکہ آخری فارسی الفاظ ہیں'' بلکہ از معبود بیاد میدھد '' حوالہ تفسیر فتح العزیز ص ۳۶۹۔ طبع مجتبائی دہلی۔

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب حجۃ البالغہ میں ایک مستقل باب باندھا ہے۔ باب ''تعظیم شعائر اللہ'' شعائر اللہ کی مزید تشریح و تفصیل سمجھنے کے لئے اہل علم کو اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

اب اختتام مضمون میں ہم لفظ شعار، شعائر پر تحقیق کے لئے چند مترجمین و مفسرین کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ امت کے صاحبان علم کو یہ محسوس ہو جائے کہ کیلنڈر ہجری کا تعلق صرف تاریخ اور دن معلوم کرنے سے نہیں بلکہ یہ اتحاد امت کا ایک ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ تمام دنیا کے لئے ایک ہی قمری ہجری کیلنڈر نہیں بن سکتا۔ مگر ایک بڑے خطہ ارض یعنی کئی ممالک کے لئے یا ایک منطقہ کے لئے ایک کیلنڈر بنایا جا سکتا ہے۔

تحقیق مزید: شعائر۔ شعار کی جمع ہے نہ کہ صرف یہی شعائر ہیں۔ یہ لفظ کلام اللہ میں چار (۴) بار استعمال ہوا ہے:

۱۔ سورہ نمبر ۲۔ البقرہ آیت ۱۵۸۔ ان الصفا والمروہ من شعائر اللہ .....

میں یہاں لفظ ''من'' پر توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ یعنی صفا مروہ دوسرے شعائر میں سے مطلب یہ کہ دوسرے بھی کئی شعائر ہیں۔

۲۔ سورہ نمبر ۵۔ المائدہ آیت ۲۔ یاایھا الذین آمنو لاتحلو شعائر اللہ .....

۳۔ سورہ نمبر ۲۲۔ الحج آیت ۳۲۔ وذالک من یعظم شعائر اللہ ....

۴۔ سورہ نمبر ۲۲۔ الحج آیت ۳۶۔ والبدن جعلنا ھالکم من شعائر اللہ .....

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علی العموم یہ آیات حج اور اسکے مناسک، صفا مروہ، بیت اللہ، قربانی کے جانور وغیرہ سے متعلق ہیں۔ مگر میں یہاں خاص طور پر سورہ نمبر ۲۲ الحج کی آیت ۳۲ پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس آیت مبارکہ کے یوں تو کئی تراجم ہیں۔ مگر چند ایک پیش کئے جاتے ہیں اور اسکے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ تقویم ہجری کو شعائر اسلام سے کس قدر تعلق ہے۔ (سورہ نمبر ۲۲۔ الحج آیت ۳۲۔)

۱۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ: ''یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا، سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے'' اسکی تشریح کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی'' لکھتے ہیں: ''یعنی شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں جس کے دل میں پرہیزگاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کریگا'' اب یہ بات ہر اہل علم کو معلوم ہے کہ دن، ماہ و سال کا اللہ تعالیٰ کے احکامات سے گہرا تعلق ہے۔

۲۔ مولانا فتح محمد جالندھریؒ: ''یہ ہمارا حکم ہے، اور جو شخص ادب کی چیزوں کی خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے۔ تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے''

۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (ادارہ ترجمان القرآن لاہور): ''یہ ہے اصل معاملہ (اسے سمجھ لو) اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے'' وضاحت میں لکھتے ہیں یعنی یہ احترام دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کے دل میں کچھ نہ کچھ خدا کا خوف ہے جبھی تو وہ اسکے شعائر کا احترام کر رہا ہے۔

۴۔ مولانا محمد جوناگڑھی (مطبوعہ، ملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود): ''یہ سن لیا اب اور سنو اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے یہ ہے۔ وضاحت میں فرماتے ہیں .....اس اعتبار سے شعائر اللہ وہ ہیں، جو اعلام دین یعنی اسلام کے نمایاں امتیازی احکام ہیں، جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ایک مسلمان کا امتیاز اور تشخص قائم ہوتا ہے اور دوسرے اہل مذاہب سے الگ پہچان لیا جاتا ہے
.....اس تعظیم کو دل کا تقویٰ قرار دیا گیا ہے"

۵۔ زبدة التفسير من فتح القدير ۔ محمد سليمان عبدالله الاشقر ۔ وزارة الاوقاف والشئون الاسلاميہ۔ دولۃ الکویت ۔ میں اس آیت کی وضاحت یوں ہے:

اعلام دينه ، ويدخل الهدي في الحج ومناسك الحج ومشاعره كلها في ذلك ۔ وتدخل المساجد والعبادات ايضا......

۶۔ صفوة البيان لمعاني القرآن ۔ لفضيلة الاستاذ الشيخ حسنين محمد مخلوف ۔ وزارة اوقاف والشئون الاسلاميہ۔ الكويت

"جمع شعيرة ۔ وهي كل شي ، لله تعالیٰ فيه امر اشعر به واعلم وشعائر الله :۔ اعلام دينه في الحج ۔ اوالاعمال التی امر بها فيه عند حد والاعلام (اور اعمال کا تعلق تقویم سے گہرا ہے)

7. The Holy Quran,Text,Translation and Comentary

A.Yuasf Ali writes as under:

"SHAIR;symbal,Signs marks by which something is Known to belong to some particular body of men"

8. Marmaduko Pekthall.

"That (is the eamand).And who so magnfieth the offering conseerated to Allah it Aurely is from devotion of the hearts"

اس کے علاوہ بھی بہت سی تفاسیر اور تشریحات ہیں اور ان سب میں ہی یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق اللہ رب العزت سے ہو جائے اس کا ادب و احترام قلبی تقویٰ محبت، خوف رب العالمین کی نشانی اور علامت ہے۔ اور اسی ادب و احترام سے پرہیزگاری اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہیں۔ جو مغز و روح عبادت ہے۔

اب یہ کوئی ادق فلسفی کی بات نہیں بلکہ صاف بات ہے کہ قرآن میں سال ماہ و ایام (کیلنڈر میں یہی تو ہوتے ہیں) کے تذکرے کا تعلق خالق کائنات سے اتنا قریبی ہے کہ اسی کے تحت تمام فرائض خصوصاً رمضان و حج ادا کرنے کا حکم ہے۔ رمضان کے مہینہ کے بجائے کسی اور مہینہ میں تیس ۳۰ روزے رکھ لینے سے روزہ کا فرض ادا نہیں

ہوگا ۔ نہ ہی ذوالحجہ کے بجائے کسی اور مہینہ میں حج قبول ہوگا۔ اب اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہوگا کہ ہجری کیلنڈر شعار اسلام میں شامل ہے اور اس کا ادب، احترام اور استعمال اسلام کی وقعت و عزت کے مترادف ہے۔ اگر میرا یہ خیال غلط ہے تو اہل علم وعلماء دین وضاحت فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے۔ آخر تقویم ہجری کو شعار اسلام کی فہرست سے کیوں خارج کیا جائے۔ اگر یہ اتحاد امت کا ذریعہ بنتا ہے تو اسے کیوں نہ استعمال کیا جائے اور رواج دیا جائے۔ مگر اسے جاری کرنے خوبصورت کاغذ پر مختصر دیدہ زیب ڈیزائن اور رنگین طباعت میں تیار کر کے تقسیم کرنا شرط ہے۔

اسلامی شعائر: اسلام میں بعض اشیاء کو واضح طور پر شعار بتایا گیا ہے مثلاً صفا مروہ۔ بحوالہ قرآن کریم قربانی کے جانور........ بحوالہ حدیث: امرني جبريل برفع الصوف في الاهلال فانه من شعائر الحج ۔ مسند احمد تلبیہ کو زور کی آواز سے پڑھنا۔ مسند احمد

سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن جلد اول سورہ المائدہ کی آیت ۲: کی وضاحت میں لکھتے ہیں "ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرز فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا "شعار" کہلائے گی کیونکہ وہ اسکے لئے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔" کسی حکومت کے سکے، ڈاک ٹکٹ، اسٹامپ سرکاری جھنڈے اور یونیفارم، یہ سب حکومت کا شعار ہیں۔

یہ کوئی فتویٰ تو نہیں مگر مقام ابراہیم ۔ حجر اسود ہلال (چاند) گنبد خضریٰ، بیت اللہ شریف ان سب کو بھی شعائر اسلامی میں شامل کر لیں تو کیا حرج ہے۔ بلکہ ایک خیال یہ بھی ہے کہ خواتین اسلام کا حجاب اور مردوں کی داڑھیاں بھی ہماری شناخت ہیں انھیں بھی شعائر کا درجہ حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرے مذاہب میں شعار: یہ اسلام میں تو تعلق باللہ کا ذریعہ ہیں مگر دوسری اقوام و مذاہب میں بھی انکے اپنے اپنے شعار، علامات یا شناخت کے ذرائع ہیں۔ بلکہ بعض اقوام میں یہ شناخت و علامت بطور اشیاء عبادت استعمال ہوتے ہیں۔

چینی زبان میں حروف کو بھی سمبل علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور انھیں بطور زیور یا بطور نکلس گلوں میں آویزاں کیا جاتا ہے۔ بعض دوسرے لوگ مثلاً Shamanic لوگ TAO.SHINTO.DAVINCI CODE ETC کے ڈیزائین کا ہار پہنتے ہیں۔ جاپان میں بدھ مت کے لوگ بدھا کی شکل۔ فری میسن کا نشان۔ متبرک سمجھتے ہیں۔ خالصہ سکھ لوگ کڑا، کرپان، کنگھا سروں اور دوسرے بالوں کا نہ کاٹنا اسے اپنی شناخت بنائے ہوئے ہیں۔ ہندو لوگ سر کی چٹیا جنیو کا دھاگا وغیرہ کو اپنی شناخت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Ref Avisual ylossary of Eeligious Symbols About out .com

Alternative Riligions.http://altretion.about.com

درج بالا دونوں Web Sites پر سینکڑوں سمبل یا علامات دیئے گئے ہیں۔ جنکا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

فارمولا برائے منتقلی کیلنڈر: اب ایک مفید معلومات پیش کرتا ہوں۔ یوں تو بہت سے طریقے موجود ہیں۔ مگر آسان طریقہ یہ ہے جس کو استعمال کرکے ہم سنہ ہجری کا عیسوی سال یا فقط شمسی سنہ اگر معلوم ہو تو اس سے سنہ ہجری معلوم کرسکتے ہیں۔

Gregarian year =[(32*Higrayear)/33]+632

Higra year =[(gregarianyear-622)33]/32

نوٹ: بعض اوقات گریگوری اور اسلامی ہجری سال ساتھ ساتھ بھی آجاتے ہیں مثلاً جنوری ۲۰۰۸ء میں ۱۴۲۸ھ کے آخری ایام شامل ہے اور اسی ۲۰۰۸ء میں ۱۴۲۹ھ کا پورا سال شامل ہے۔ ۱۴۳۰ھ کے شروع کے ایام دسمبر ۲۰۰۸ء میں شامل ہونگے۔ اس طرح دیکھتے ہیں کہ ۲۰۰۸ء اور ۱۴۲۹ھ ساتھ ساتھ چلتے نظر آئینگے۔

اختتام

کسی عنوان پر کوئی بھی تحریر آخری کلام نہیں ہو سکتی اسلامی ہجری کیلنڈر کی تدوین، ترویج اور اسکے نفاذ کا مسئلہ کوئی بڑا پیچیدہ معاملہ نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم بعض اخباروں، رسالوں اور کیلنڈر پر عیسوی تاریخوں کے ساتھ ہجری تاریخیں بھی دیکھتے ہیں۔ مگر یہ خال خال ہیں۔ اسلامی ہجری کیلنڈر کی جو پذیرائی اور اہمیت ہمارے پاکستانی اسلامی معاشرہ میں ہونی چاہیے وہ نظر نہیں آتی۔

لہٰذا شعار اسلامی کی حفاظت کے لئے اور یاددہانی کے لئے یہ تحریر پیش کی گئی ہے۔ امید کہ دوسرے محققین اور دانشور بھی آگے آئیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ. علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم.

مزارعت اور قرآن مجید

مولانا محمد طاسینؒ

چونکہ اسلامی شریعت وقوانین کا اصل الاصول اور حقیقی ماخذ و سرچشمہ قرآن مجید ہے لہٰذا سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں اس معاملہ کے متعلق کیا ہدایت و راہنمائی ہے۔ وہ اسے جائز قرار دیتا ہے یا ناجائز ٹھہراتا ہے، اس کا جواب دینے سے پہلے مناسب و مفید ہوگا کہ اصولی بات عرض کر دی جائے اور وہ یہ کہ ہم جب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید ہدایت کے لحاظ سے ایک جامع اور کامل کتاب ہے اور اس میں حیات انسانی کے ہر مسئلہ سے متعلق ہدایت و راہنمائی موجود ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ حیات انسانی کے تمام جزوی مسائل کے متعلق اس کے اندر تفصیلی احکام پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ بدیہی طور پر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں ایسے جزوی مسائل بہت تھوڑے سے ہیں جن کے متعلق صراحت کے ساتھ تفصیلی احکام مذکور ہیں اور چونکہ زندگی کے جزوی مسائل بے شمار اور لاتعداد ہیں۔ لہٰذا ناممکن ہے کہ کوئی ایک کتاب ان لاتعداد مسائل اور ان کے متعلق جزوی و تفصیلی احکام پر محیط و حاوی ہو خواہ وہ سینکڑوں جلدوں پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو، بلکہ ہمارے اس دعوے کا صحیح مطلب یہ ہوتا اور یہی ہو سکتا بھی ہے کہ قرآن مجید اصول و مبادی اور بنیادی افکار و تصورات کے لحاظ سے جامع و کامل کتاب ہدایت ہے۔ یعنی اس کے اندر وہ اصول کلیہ اور مبادی عامہ بتمام و کمال موجود ہیں جو حیات انسانی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے اور ہر شعبہ کے جزوی مسائل کے لئے راہنمائی و روشنی دیتے ہیں اور کی راہنمائی و روشنی میں ہر مسئلے کا قرآنی حل سمجھا اور دریافت کیا جا سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں بعض جزوی مسائل سے متعلق جو تفصیلی احکام ہیں غور سے دیکھا جائے تو وہ بھی قرآن کے اساسی اصول و تصورات پر مبنی ہیں اس طرح صحیح احادیث میں جزوی مسائل کے متعلق جو تفصیلات ہیں وہ بھی دراصل قرآن حکیم کے بنیادی اصول و ضوابط اور اساسی افکار و تصورات کی علمی تشریح و توضیح ہیں اور ان کا قرآن مجید سے گہرا اور مضبوط تعلق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن یہاں یہ بات واضح کر دینا نہایت ضروری ہے کہ قرآن مجید میں زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو سے متعلق جو اصول کلیہ اور مبادی عامہ ہیں وہ اس اسلوب بیان سے نہیں جس اسلوب بیان سے وہ وضعی علوم سے متعلق انسانی تصنیفات میں ہوتے ہیں۔ اس سے مراد یہ کہ ان میں اصول کلیہ اور مبادی عامہ کا الگ، مستقل اور مجرد ذکر ہوتا اور ان کی وضاحت کے لئے جزوی مثالوں کا الگ ذکر ہوتا ہے جیسے کہ ہم عمرانیات، معاشیات، سیاسیات، ریاضیات، طبیعیات، فقہ و قانون، اصول الفقہ، منطق اور صرف و نحو وغیرہ کی کتابوں میں دیکھتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید میں وہ اصول و مبادی پہچانے جزیوں کے ضمن میں مذکور ہیں اور ان کو صرف وہی لوگ جان اور سمجھ سکتے ہیں جو غور و فکر اور استنباط و استخراج کی ممتاز صلاحیت اور استدلال کے مختلف طریقوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔

دراصل اس بارے میں قرآن کریم کا اسلوب و طریقہ یہ ہے کہ وہ جب ایک نوع کے کثیر التعداد مسائل کے متعلق اپنا کوئی کلی حکم دینا چاہتا ہے کہ وہ جائز ہیں یا ناجائز تو وہ ان مسائل میں سے ایک ایسے مسئلہ کے متعلق حکم دیتا ہے جو عام طور پر معروف اور جانا پہچانا ہوتا ہے، اس میں گویا وہ یہ فرماتا ہے اور ہدایت دیتا ہے کہ میرے نزدیک جو حکم اس خاص مسئلے کا ہے جس کی حقیقت و ماہیت کو تم جانتے پہچانتے ہو۔ یہی حکم ہر اس مسئلے کا ہے جو اپنی ماہیت و حقیقت، اپنی روح و اسپرٹ اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے اس خاص مسئلہ سے ملتا جلتا اور مماثلت و مشابہت رکھتا ہے۔ اس طرح ایک جزیے کے ضمن میں کلیہ مذکور ہوتا ہے، استدلال کے اس طریقہ کا نام منطق میں تمثیل اور اصول الفقہ میں قیاس ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو استدلال کا یہ طریقہ کئی وجوہ سے بہتر سے بہتر اور احسن طریقہ ہے اس وجہ سے بھی کہ یہ آسان و سہل ہے۔ کیونکہ ایک معلوم جزیے کے ذریعے دوسرے نامعلوم جزیے کا علم حاصل کرنا آسان ہوتا ہے بہ نسبت اس علم کے جو ایک کلیے کے ذریعے نامعلوم جزیے کا حاصل کیا جاتا ہے، یعنی ایک جزیے سے دوسرے جزیے کو سمجھنا آسان ہوتا ہے بمقابلہ ایک کلیے سے جزیے کو سمجھنے کے، یہ اس لئے کہ جزیہ خارج میں اور محسوس ہوتا ہے جبکہ کلیہ ذہن میں اور غیر محسوس ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ محسوس سے محسوس پر استدلال آسان ہوتا ہے بہ نسبت غیر محسوس یعنی معقول سے محسوس پر استدلال سے اور اس وجہ سے بھی یہ طریقہ استدلال بہتر و احسن ہے کہ اس میں غلطی کا امکان کم ہوتا ہے یعنی کلیے کو جزیے پر منطبق کرنے میں غلطی کے احتمال سے، کیونکہ کلیے کو جزیے پر منطبق کرنے میں عقل کا زیادہ دخل ہوتا ہے جبکہ جزیے کو جزیے پر منطبق کرنے میں حواس ظاہری کا دخل ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر پہلا طریقہ

موضوعی نوعیت کا اور دوسرا طریقہ معروضی نوعیت کا ہے یا یوں کہئے کہ پہلا استخراجی اور دوسرا استقرائی ہے، علاوہ ازیں قرآن کا تعلیم کردہ طریق استدلال فطری ہے۔ اس کا ثبوت یہ کہ سن شعور سے پہلے ایک بچہ بھی اسی طریق استدلال سے کام لیتا ہے اور فطرتاً اس سے مانوس ہوتا ہے۔ وہ ہر اس دوسری چیز کو پسند کرتا ہے جو اس کی پہلی پسندیدہ چیز کے مماثل ہوتی اور ہر اس چیز سے گریز کرتا ہے جو اس کی پہلی گریز شدہ چیز سے مماثلت رکھتی ہے۔

غرضیکہ اصول کلیہ اور مبادی عامہ کے بیان میں قرآن مجید کا جو اسلوب ہے وہ نسبتاً آسان، غلطی سے محفوظ، حسی اور فطری اسلوب ہے لہٰذا ایک بہتر اور احسن اسلوب ہے۔

معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن حکیم کا جو اصل کلی اور مبدأ عام ہے وہ بھی اسی اسلوب سے بیان کیا گیا ہے یعنی دو جزوی معاملات سے متعلق دو مختلف حکموں میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمان الٰہی ہے:

واحل الله البيع وحرم الربو

''اور اللہ نے معاملہ بیع کو حلال اور معاملہ ربٰو کو حرام ٹھہرایا''

قرآن حکیم کی اس آیت میں بظاہر دو جزوی اور مخصوص معاشی معاملات کے متعلق دو مختلف حکم ہیں۔ معاملہ بیع کے متعلق یہ حکم کہ وہ حلال و جائز ہے اور معاملہ ربٰو کے متعلق یہ کہ وہ حرام و ناجائز ہے۔ لیکن یہ دو حکم ان دو معاملوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ان کی طرح کے دیگر تمام معاملات کے لئے عام ہیں، گویا اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر وہ معاشی معاملہ جو اپنی ماہیت و حقیقت، بناوٹ و ساخت، روح و اسپرٹ اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاملہ بیع کے مشابہ و مماثل ہو وہ حلال و جائز اور ہر وہ معاملہ جو اپنی حقیقت و ماہیت، اپنی روح و غایت اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاملہ ربٰو سے مماثلت و مشابہت رکھتا اور ملتا جلتا ہو وہ حرام و ناجائز ہے۔ اس طرح اس آیت میں گویا دو قاعدے کلیے بیان کئے گئے ہیں جن کی روشنی میں کثیر التعداد معاشی معاملات کے بارے میں قرآنی حکم معلوم کیا جا سکتا ہے یعنی یہ کہ کونسے معاملات آتے ہیں جو معاملہ بیع سے کامل مشابہت رکھتے ہیں دوسری قسم کے معاملات میں وہ تمام معاملات داخل ہیں جو معاملہ رِبٰو سے کامل مماثلت رکھتے ہیں اور تیسری قسم کے معاملات میں وہ جملہ معاملات آتے ہیں جو ایک پہلو سے معاملہ بیع سے مشابہ اور دوسرے پہلو سے معاملہ رِبٰو سے مشابہ ہوتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملہ بیع کی حقیقت و ماہیت جو عام طور پر جانی پہچانی ہے یہ کہ اس میں تاجر اپنے سرمائے کے ساتھ خرید و فروخت کا کام کرتا ہے اور نفع کماتا ہے لہٰذا اس معاملے میں تاجر کو اپنے اصل سرمائے پر بطور نفع جو زائد مال ملتا ہے اس کے عوض اس کی طرف سے دماغی و جسمانی محنت و مشقت موجود ہوتی ہے۔ اس کی دماغی محنت وہ ہوتی ہے جو وہ سامان تجارت خریدنے اور بیچنے سے پہلے سوچتا اور غور و فکر کرتا ہے کہ کیا چیز کہاں سے اور کب خریدنے اور پھر کہاں اور کب فروخت کرے، اور اس کی جسمانی محنت و مشقت وہ دوڑ دھوپ اور تگ و دو ہوتی ہے جو وہ ادھر ادھر جانے آنے، سامان خریدنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور اس کی حفاظت و دیکھ بھال کے سلسلہ میں کرتا ہے، بنا بریں ہر وہ معاشی معاملہ معاملہ بیع کے مشابہ و مماثل قرار پائے گا جس میں حاصل ہونے والے زائد مال اور منافع کے بالمقابل آدمی کی دماغی و جسمانی محنت و مشقت موجود ہوتی ہے۔

اور معاملہ ربوٰ کی حقیقت و ماہیت جسے سب کاروباری لوگ جانتے پہچانتے ہیں اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں ایک فریق اپنا مال دوسرے کو استعمال کے لئے بطور قرض دیتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ مقررہ میعاد کے بعد اسے اس کا اصل مال مع اضافے کے واپس کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اس میں مقرض یعنی قرض دینے والے کے لئے اس کا اصل مال بھی بغیر کسی نقصان کے پوری طرح محفوظ رہتا ہے۔ کیونکہ مقررہ وقت پر اس کے ادا کرنے کی قانونی ضمانت موجود ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے اصل مال پر جو زائد لیتا ہے اس کے بدلے اس کی طرف سے مقروض کے لئے کوئی مادی شے موجود ہوتی ہے جو اس زائد مال سے مماثلت رکھتی ہو اور نہ کوئی پیداآور محنت موجود ہوتی ہے جس کی اجرت اس زائد مال کے برابر ہو۔ لہٰذا ہر وہ معاشی معاملہ، معاملہ ربوٰ کے مماثل و مشابہ ٹھہرتا ہے جس میں ایک فریق کا مال دوسرے کے استعمال میں اس قانونی تحفظ کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ مال جب واپس ہوگا تو بغیر کسی پیداآور محنت کے دوسرے سے کچھ زائد مال اس وجہ سے لیتا ہے کہ دوسرے نے اس کا مال استعمال کیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید نے معاملہ بیع کو کیوں حلال اور معاملہ ربوٰ کو کیوں حرام ٹھہرایا اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟ تو مختصر طور پر اس کا جواب یہ ہے کہ معاملہ بیع کو اس لئے حلال و جائز ٹھہرایا ہے کہ یہ عدل کے مطابق ہے کیونکہ اس میں فریقین آپس میں جو دیتے لیتے ہیں ایک دوسرے کا حق سمجھ کر دیتے لیتے ہیں اور اس میں ان کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے جو معاملے کی صحت کے لئے شرط کی حیثیت رکھتی ہے، کچھ واضح الفاظ میں یہ مطلب یہ کہ معاملہ بیع میں تاجر اپنے اصل سرمائے پر خریدار سے جو زائد مال لیتا ہے یعنی

مثلاً سو روپے میں خریدی ہوئی چیز ایک سو دس میں بیچ کر جو دس روپے زائد لیتا ہے اس زائد کے عوض چونکہ اس کی طرف سے محنت موجود ہوتی ہے جو سب کے نزدیک پیدائش دولت کا متفقہ اور مسلمہ عامل ہے لہٰذا وہ اس زائد مال کا حقدار ٹھہرتا ہے اور خریدار اسے حقدار سمجھ کر وہ زائد مال اس کو برضا و خوشی دیتا ہے گویا اس محنت کی اجرت کے طور پر اسے دیتا ہے جو اس نے خرید و فروخت کے سلسلہ میں کی ہوتی ہے۔ بہر حال اس معاملے میں اصل ماہیت میں کسی فریق کی حق تلفی داخل نہیں۔ لہٰذا یہ ظلم کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ عدل وقسط کی تعریف میں آتا ہے جس کا قیام و تحفظ اسلام کا بڑا مقصد اور نصب العین ہے۔

اور معاملہ ربوٰ کے حرام ہونے کا فلسفہ یہ ہے کہ اس کی ماہیت اور فطرت میں ظلم و حق تلفی ایک لازمی جزو کی حیثیت سے شامل ہے، اس میں مقرض اپنے مقروض سے قرض کے اصل مال کے ساتھ جو کچھ بھی زائد لیتا ہے وہ اس کا حق نہیں بلکہ مقروض کا حق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی طرف سے اس زائد مال کے بالمقابل کوئی ایسی حقیقی شے موجود نہیں ہوتی جس کی بنا پر وہ اس کا حقدار ٹھہرتا ہو نہ کوئی پیداوار محنت و مشقت موجود ہوتی ہے جو حق کی بنیاد ہے اور نہ کوئی نقصان وغیرہ کی شکل میں مادی شے موجود ہوتی ہے جو اس زائد مال کا عوض بن سکتی ہو، پھر چونکہ قرض پر دی ہوئی چیز مقرض کی ملکیت سے نکل کر مقروض کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور اس کی حیثیت بالکل وہی ہو جاتی ہے جو اس کی کسی دوسری مملوکہ چیز کی ہو جاتی ہے وہ اس کے ساتھ محنت و مشقت کر کے جو کچھ کماتا ہے وہ سب اسی طرح اس کا حق ہوتا ہے جس طرح اپنے کسی دوسرے مال کے ساتھ محنت کر کے کمایا ہوا مال، اسی طرح مقروض، بطور قرض دیئے ہوئے مال کے استعمال پر کوئی کرایہ وغیرہ بھی نہیں لے سکتا۔ کیونکہ کرائے کیلئے ضروری ہے کہ کرائے پر دی ہوئی چیز اس کی ملکیت میں ہو جس نے کرایے پر دی ہے کیونکہ قرض پر دیا ہوا مال اب اس کی ملکیت نہیں بلکہ مقروض کی ملکیت ہو جاتا ہے، نیز کرائے کے جواز کیلئے ضروری ہے کہ کرائے پر دی جانے والی چیز ایسی ہو جس کے استعمال ہونے سے قیمت و مالیت گھٹتی ہو اور مدت کرایہ ختم ہونے پر مالک کی طرف بعینہ نہیں بلکہ نقصان کے ساتھ لوٹتی ہو۔ حالانکہ قرض کا مال جب قرضخواہ کی طرف لوٹتا ہے تو بغیر کسی نقصان کے پورے کا پورا لوٹتا ہے، بہر حال معاملہ ربوٰ میں سود خور اپنے اصل مال سے زائد لیتا ہے۔ وہ کسی طرح اس کا حق نہیں ہوتا بلکہ اس مقروض کا حق ہوتا ہے جس سے وہ لیتا ہے۔ لہٰذا ظلم و حق تلفی، اس معاملے کی ماہیت کا جزو لاینفک ہے۔ اور ظلم و حق تلفی ہے لہٰذا یہ معاملہ بھی حرام ہے۔ علاوہ ازیں اس معاملے میں ایک فریق حقیقی رضا و خوشی کے ساتھ شریک نہیں ہوتا بلکہ اس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس حسب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت اپنا مال نہیں ہوتا کیونکہ جس کے پاس حسب ضرورت اپنا مال ہو وہ کبھی سود پر دوسرے سے قرض نہیں لیتا اور اس معاملہ میں شریک نہیں ہوتا اور چونکہ دوسرے کا مال بغیر اس کی حقیقی رضامندی کے لینا حرام ہے لہٰذا معاملہ ربوٰ حرام ہے۔ کیونکہ اس میں ایک فریق دوسرے کی حقیقی رضامندی کے بغیر اس کا مال لیتا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں اس کا نام اکل بالباطل ہے جس کی سخت ممانعت ہے۔

اب میں اصل مسئلے مزارعت اور قرآن مجید کی طرف آتا ہوں۔ قرآن مجید میں نہ صرف صراحت کے ساتھ معاملہ مزارعت کا ذکر ہے نہ خصوصیت کے ساتھ اس کا کہ وہ حلال و جائز ہے یا حرام و ناجائز، البتہ قرآن مجید کے مذکورہ بالا اصل کلی کی روشنی میں اس کے متعلق قرآنی حکم ضرور معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ معاملہ بیع کے مشابہ ہے تو از روئے قرآن حلال و جائز اور معاملہ ربوٰ کے مماثل ہے تو حرام و باطل ہے۔

لیکن جب ہم بغور دیکھتے اور اس کا گہرائی کے ساتھ تجزیہ کرتے اور تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو یہ معاملہ، معاملہ بیع نہیں بلکہ معاملہ ربوٰ سے مماثل و مشابہ نظر آتا ہے، وہ یوں کہ جس طرح معاملہ ربوٰ میں سود خور کے لئے اس کی اصل رقم اس کے حق میں محفوظ رہتی اور معاملہ ختم ہونے پر اس کو بے کم و کاست پوری ملتی ہے، اسی طرح معاملہ مزارعت میں مالک کے لئے زمین محفوظ رہتی اور معاملہ ختم ہونے پر پوری کی پوری اسے واپس ملتی ہے۔ کاشت کے بعد اس کی قیمت و مالیت میں کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوتی یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ ایک زمین کی قیمت کاشت سے پہلے مثلاً ایک ہزار روپے فی ایکڑ تھی تو کاشت ہو جانے کے بعد اس کی قیمت نوسو روپے فی ایکڑ رہ جاتی ہو بلکہ اس کے برعکس بعض دفعہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک بنجر زمین کو کاشت کار خوب محنت سے بناتا اور کھاد پانی وغیرہ صحیح طور پر دیتا ہے تو کاشت سے اس کی قدر قیمت کچھ بڑھ جاتی ہے، بہر حال زمین ان چیزوں میں سے نہیں جو استعمال ہونے سے گھستی اور پرانی ہوتی ہیں۔ لہٰذا لازماً ان کی قیمت گھٹتی اور کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ نیز جسطرح معاملہ ربوٰ میں زائد مال کے عوض سود خوار کی طرف سے کوئی پیداآور محنت وغیرہ موجود نہیں ہوتی جو اسے زائد مال کا حقدار ٹھہراتی ہو۔ اسی طرح معاملہ مزارعت میں مالک کاشت کار سے پیداوار کا جو حصہ یا نقد وغیرہ لیتا ہے اس کے عوض اور بالمقابل مالک کی طرف سے نہ کوئی پیداآور محنت ہوتی ہے اور نہ کوئی ایسی شے جو اسے پیداوار وغیرہ کا حقدار بناتی ہو۔ لہٰذا جسطرح معاملہ ربوٰ میں سود خوار دوسرے کا مال ناحق طور پر لیتا ہے اسی طرح معاملہ مزارعت میں مالک زمین، کاشت کار کا مال ناحق طور پر لیتا ہے اور پھر جس طرح معاملہ ربوٰ میں ایک فریق رضا و خوشی

کے ساتھ نہیں بلکہ اس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس حسب ضرورت اپنا مال نہیں ہوتا، اسی طرح معاملہ مزارعت میں بھی ایک فریق یعنی مزارع حقیقی رضا و خوشی کیساتھ نہیں بلکہ اس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس حسب ضرورت اپنی زمین نہیں ہوتی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جسکے پاس حسب ضرورت اپنی زمین ہو وہ کبھی مزارعت پر دوسرے کی زمین کاشت نہیں کرتا کیونکہ اپنی زمین کاشت کرنے سے اپنی پوری پیداوار ملتی ہے جبکہ مزارعت پر دوسرے کی زمین کاشت کرنے سے پیداوار کا ایک حصہ ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی خوشی کے ساتھ پورے کی بجائے ادھورے کو اختیار نہیں کرتا۔

بہر حال غور سے اور تجزیہ در تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو معاملہ مزارعت اپنی حقیقت و ماہیت، اپنے مضمرات و مقتضیات اور اپنے نتائج و اثرات کے لحاظ سے معاملہ ربوٰ کے مشابہ و مماثل نظر آتا ہے لہٰذا قرآن مجید کی رو سے جو حکم ربوٰ کا ہے وہی اس معاملہ کا بھی ہے۔

پھر اس بات کا نہایت واضح ثبوت کہ معاملہ مزارعت، معاملہ ربوٰ کی طرح ہے اس حدیث نبوی ﷺ سے بھی فراہم ہوتا اور وہ اس پر واضح الدلالت ہے جسے امام حاکم نے اپنی حدیث کی کتاب المستدرک میں بیان کیا ہے وہ حدیث اس طرح ہے:

عن ابی الزبیر عن جابر ؓ بن عبداللہ قال لما نزلت: الذین یاکلون الربو لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس الآیہ، قال رسول اللہ ﷺ: من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ، ھذا حدیث صحیح علی شرط المسلم (ص ۲۸۶ ـ ج ۲)

”ابوالزبیر نے حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ جب تحریم ربوٰ سے متعلق قرآن مجید کہ یہ آیات نازل ہوئیں: الذین یاکلون الربو لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس... الخ۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مخابرت کو نہ چھوڑے اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے یا یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے برسر پیکار ہے“

یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ اس حدیث میں جس مخابرہ کا ذکر ہے وہ مزارعت ہے کیونکہ جیسا کہ پیچھے گزرا حضرت زیدؓ بن ثابت سے جب یہ پوچھا گیا کہ مخابرہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ”تیرا زمین کو کاشت کے لئے نصف یا تہائی یا چوتھائی پیداوار پر لینا“

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ حدیث جسے امام حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح بتلایا ہے اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخابرت ومزارعت کا معاملہ ربٰو کے معاملہ کی طرح ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ یہ حدیث اس وقت ارشاد فرمائی گئی جب سورۂ بقرہ میں تحریم ربٰو کی آیات نازل ہوئیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس میں مخابرہ چھوڑنے والوں کیلئے بعینہ دھمکی کے وہی الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں ربٰو کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے فرمائے گئے ہیں یعنی: فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله۔

علاوہ ازیں دو حدیثیں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں اس معاملہ کو صریح طور پر ربٰو فرمایا گیا ہے۔

ایک سنن ابوداؤد، اور معانی الآثار طحاوی کی یہ حدیث:

عن ابن ابی نعم قال حدثنی رافع بن خدیج انه زرع ارضا فمر به النبی ﷺ وهو يسقيها فسأله عن الزرع ولمن الارض، فقال زرعی ببذری وعملی، لی الشطر ولبنی فلان الشطر فقال ﷺ وسلم اربيتما فرد الارض علىٰ اهلها وخذ نفقتک

"ابن ابی نعم نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے حضرت رافع بن خدیج نے بتلایا کہ اس نے ایک ایک زمین کاشت کی، وہاں سے نبی ﷺ گزرے جبکہ وہ اسے پانی دے رہا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا کھیتی کس کی ہے اور زمین کس کی ہے، میں نے عرض کیا کھیتی میرے بیج اور عمل سے ہے۔ نصف پیداوار میرے لئے اور نصف بنی فلاں کے لئے ہوگی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم ربٰو میں مبتلا ہوئے، زمین اس کے مالکوں کو دے دو اور اپنا خرچ لے لو۔"

اور دوسری حدیث یہ ہے جسے طبرانی نے معجم الاوسط میں بیان کیا ہے:

عن المسورؓ بن مخرمة قال مر رسول الله ﷺ بارض لعبد الرحمن بن عوف فيها زرع فقال يا ابا عبد الرحمن لا تاكل الربوا ولا تطعمه ولا تزدع الا فی الارض ترثها او تورثها او تمنحها (بحوالہ مجمع الزوائد ص۱۲۰، ج۴)

"حضرت مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ایک زمین کے پاس سے گزرے جس میں کھیتی تھی۔ آپ نے فرمایا اے ابو عبدالرحمٰن نہ ربٰو کھاؤ اور نہ کھلاؤ اور کاشت نہ کرو مگر ایسی زمین میں جس کے تم وارث ہو یا فرمایا وارث بنادیے گئے یا تمہیں مفت دی گئی ہو"

پہلی حدیث میں اربیتما یا اربیتھما کے الفاظ اور دوسری میں لا تاکل الربوا کے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مزارعت ومخابرت کا یہ معاملہ، ربٰو کی طرح کا معاملہ ہے اور جس طرح ربٰو حرام و

ناجائز ہے اس طرح یہ معاملہ بھی حرام وناجائز ہے یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رافع بن خدیج کو فی الوقت اسے فسخ کرنے کا حکم دیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو نہی کے ساتھ منع فرمایا۔

مفسرین حضرات میں سے علامہ ابن کثیر نے سورۂ بقرہ والی تحریم ربٰو کی آیات کی تفسیر میں مخابرہ سے متعلق حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد جو لکھا ہے وہ یہ کہ:

انما حرمت المخابرة وهي المزارعة ببعض ما يخرج من الارض، والمزابنة وهي اشتراء الرطب في رؤوس النخل بالتمر على وجه الارض، والمحاقلة وهي اشتراء الحب في سنبله في الحقل بالحب على وجه الارض، انما حرمت هذه الاشياء وما شاكلها حسما لمادة الربو (ص۳۲۷، ج۱، تفسیر ابن کثیر)

"سوائے اس کے نہیں کہ حرام ٹھہرائے گئے ہیں مخابرہ جو پیداوار زمین کے ایک حصہ پر مزارعت کا نام ہے اور مزابنہ جو نام ہے درخت پر لگی تازہ کھجوروں کو زمین پر پڑے خشک چھوہاروں کے عوض خریدنا اور محاقلہ: جو خوشوں میں محفوظ غلہ کو جو کھڑی کھیتی میں ہو، خشک غلے کے بدلے خریدنا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے معاشی معاملات صرف اس لئے حرام ٹھہرائے گئے ہیں کہ ربٰو کا کلی طور پر خاتمہ ہو جائے۔"

اس عبارت میں علامہ ابن کثیر نے مخابرہ، مزابنہ اور محاقلہ اور ان سے ملتے جلتے دیگر معاشی معاملات کے حرام ہونے کی وجہ اور علت یہ بتائی ہے کہ یہ سب ربوی معاملات ہیں اور یہ کہ ان کو حرام قرار دینے کا مقصد ربٰو کا پوری طرح قلع قمع کرنا اور اس کو جڑ سے اکھاڑنا ہے، اس عبارت میں یہ بھی وضاحت ہے کہ مخابرہ عین مزارعت ہے۔

دوسرے عظیم مفسر علامہ القرطبی، اپنی جلیل القدر تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں تحریم ربٰو کی آیات میں سے اس آیت: فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا الوعيد الذي وعد الله به في الربو من المحاربة قد ورد عن النبي ﷺ مثله في المخابرة عن جابر بن عبد الله قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من لم يذر المخابرة فليؤذن بحرب من الله ورسوله، وهذا دليل على منع المخابرة وهي اخذ الارض بنصف او ثلث او ربع ويسمى المزارعة، و اجمع اصحاب مالك كلهم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و الشافعی وابو حنیفۃ واتباعھم وداؤد علی انہ لا یجوز دفع الارض علی الثلث والربع و لا علی جزء لما یخرج من الارض. (ص ۳۶۷۔ ج ۳)

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی یہ وعید دھمکی جو ربو کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے اللہ نے اس آیت میں فرمائی ہے۔ ٹھیک اسی طرح کی وعید رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے بھی فرمائی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جو مخابرہ کو نہ چھوڑے اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ یہ حدیث مخابرہ کے ممنوع ہونے کی دلیل ہے اور مخابرہ نام ہے زمین کو کاشت کے لئے نصف، تہائی یا چوتھائی پیداوار پر لینا دینا اسی کا دوسرا نام مزارعت ہے تمام مالکی علماء امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے کچھ متبعین اور داؤد ظاہری کا اس پر اجماع ہے کہ زمین کو پیداوار کے تہائی، چوتھائی اور کسی حصہ پر دینا جائز نہیں"

علامہ القرطبی کی عبارت مذکور میں ایک تو اس بات کی تصریح ہے کہ مخابرہ ربو کی طرح کا معاملہ ہے۔ دوسری اس بات کی تصریح کہ مخابرہ اور مزارعت ایک معاملہ کے دو نام ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ زمین کو اس کی پیداوار کے ایک حصہ پر کاشت کے لئے دینا لینا اور تیسری یہ تصریح کہ اس معاملہ کے عدم جواز پر امام مالک اور ان کے ماننے والے تمام علماء، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور ان کے کچھ پیرو نیز فقہ ظاہری کے امام داؤد متفق ہیں، بہر حال میرا دعویٰ کہ معاملہ مزارعت، معاملہ ربو سے مشابہ و مماثل معاملہ ہے، علامہ ابن کثیر اور علامہ القرطبی کے مذکورہ بیانات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے، گویا جو بات میں کہہ رہا ہوں یہ وہی بات ہے جو جوٹی کے بعض مفسرین قرآن اپنی تفسیروں میں لکھ چکے ہیں۔

جہاں تک میرے علم و مطالعہ کا تعلق ہے، مزارعت کے موضوع پر باقاعدہ لکھنے والے علماء کرام نے اپنی بحث و تحقیق کا دائرہ صرف حدیث وفقہ تک محدود رکھا ہے۔ کسی نے قرآن مجید کے حوالے سے اس پر بحث نہیں کی حالانکہ اعتقاد اور دعویٰ ہمیشہ سے علماء کرام کا یہی رہا ہے کہ قرآن حکیم میں حیات انسانی کے ہر مسئلہ کے متعلق تفصیلی اور اجمالی ہدایت و رہنمائی ضرور موجود ہے۔ تفصیلی ہدایت و رہنمائی کا مطلب یہ کہ جزوی صراحت کے ساتھ اس مسئلے کا ذکر اور شرعی حکم مذکور ہے اور اجمالی ہدایت و رہنمائی کا یہ مطلب یہ کہ اصول کلیہ اور مبادی عامہ کے ضمن میں اس کے متعلق ہدایت پائی جاتی ہے۔ میں نے اس دعوے کے مطابق کوشش کی ہے کہ سب سے پہلے مسئلہ مزارعت سے متعلق قرآنی ہدایات معلوم کی جائے۔

سو اس بارے میں اپنی علمی و فکری بساط اور طالب عالمانہ جستجو کے مطابق جو کچھ قرآن مجید میں ہے میں سمجھ سکا ہوں سطور بالا میں پیش کر دیا، یہ صحیح ہے یا غلط، یا کس حد تک صحیح ہے اور کس حد تک غلط؟ اس کا فیصلہ کھلے ذہن کے منصف مزاج علماء کرام ہی کر سکتے ہیں۔ بہر حال اگر کسی کو مجھ سے اتفاق نہ ہو اور وہ میرے نتائج غور و فکر کو صحیح نہ سمجھتا ہو اور ساتھ ہی اس کا یہ دعویٰ ہو کہ مزارعت ایک جائز و حلال معاملہ ہے تو اس پر لازم ہے کہ قرآن مجید سے کوئی دوسرا اصول و کلی تصور پیش کرے۔ جس سے مزارعت کا جواز نکلتا ہو، یہاں محض یہ کہہ دینا صحیح اور کافی نہیں کہ چونکہ علماء سلف اور فقہاء متقدمین نے اس مسئلے کے بارے میں قرآن مجید سے استدلال ضروری نہیں سمجھا لہٰذا آج ہمیں بھی اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ علماء سلف کے سامنے یہ مسئلہ اس طرح نہ تھا جس طرح آج ہمارے سامنے ہے اسی طرح ان کے زمانے میں نہ عام طور پر یہ دعویٰ تھا کہ قرآن مجید اصولوں کے لحاظ سے ایک جامع اور کامل کتاب زندگی ہے جس میں حیات انسانی کے ہر مسئلہ کے لئے کم از کم اصولی و کلی ہدایت ضرور موجود ہے اور نہ ان سے یہ مطالبہ تھا کہ مسئلہ مزارعت کے متعلق وہ حدیث کے ساتھ قرآن مجید سے بھی رہنمائی و روشنی پیش کریں اور کیونکہ آج یہ دعویٰ بھی عام ہے اور یہ مطالبہ بھی لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم مزارعت جیسے اہم مسئلے کے متعلق حدیث نبوی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید سے بھی کم از کم اصولی ہدایت ضرور پیش کریں اور یہ اس لئے بھی کہ آج کا قانونی ذہن کسی جزوی قانون کی صحت و عدم صحت اور اس کی نظری حیثیت کا تعین اس اصولی تصور سے کرتا ہے جس پر وہ جزوی قانون مبنی ہوتا ہے، علاوہ ازیں کسی خاص مسئلے کے متعلق جب احادیث و روایات میں اختلاف پایا جاتا ہو بعض سے اس کا جواز اور بعض سے عدم جواز مفہوم ہوتا ہو تو ایسی صورت میں اس اختلاف کو سلجھانے اور دور کرنے کا سب سے بہتر اور صحیح معیار قرآن مجید ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جو احادیث و روایات قرآن مجید کی اصولی ہدایت کے مطابق ہوں ان کو بے چون و چرا اختیار کر لیا جائے اور جو مطابق نہ ہوں ان کو معقول توجیہ و تاویل کے ساتھ ترک کر دیا جائے۔

© rasailojaraid.com